منطق وفلسفہ ایک جائزہ

مولانا ابوسجاد صدیق احمد (استاد جامعہ حمادیہ کراچی)

علوم عقلیہ، منطق اور فلسفہ جیسے فنون کی تعلیم وتعلم کے بارے میں آراء متنازعہ رہی ہیں، ان فنون کے اثرات، فوائد، نقصانات، تعریف اور تنقید سے متعلق خیالات میں شروع ہی سے کھلا تضاد پایا جاتا ہے۔ درس نظامی کے مروجہ نصاب میں من کل الوجوہ منطق وفلسفہ کو جگہ بھی نہیں دی گئی اور یکسر مسترد بھی نہیں کیے گئے، اسلاف کی تصنیفات وتالیفات میں منطق اور فلسفہ کے مکمل تسلط وبرتری کے ساتھ پذیرائی بھی نہیں کی گئی اور دلائل وبراہین میں منطقی وفلسفیانہ انداز بیان کو نظر انداز بھی نہیں کیا گیا، اہل علم کے طبقہ مدرسین ومحققین میں بھی، منطق اور فلسفہ کے بارے میں رجحانات متوازی نوعیت کے دیکھنے کو ملتے ہیں۔

منطق اور فلسفہ کے عقیدت مند وشیدائی ضرورت سے بھی زیادہ مبالغہ آرائی کے ساتھ نطق اور فلسفہ کو، علوم وفنون کی بنیاد، استحکام کی علامت اور خشت اول قرار دیتے نہیں تھکتے بلکہ اس فن اور فن کی بعض کتب کو حدیث وتفسیر کی طرح ''شریف'' کا قابل احترام لاحقہ لگاتے ہوئے خجالت کا ذرہ بھر احساس دامن گیر نہیں ہونے دیتے اور منطق وفلسفہ کو درسی سمجھنے والے شرفاء مدرسین کو مدرسین وماہرین تعلیم کی صف میں شمار ہی نہیں کرتے بلکہ جہلاء، مغفلین اور نہ جانے کن کن طعنہ آمیز نسبتوں سے انھیں یاد کرتے رہے ہیں، خصوصاً ملک کے بعض حصوں میں صوبائی تعصب سے بڑھ کر اسِ فنی تعصب کے نا ٹک زیادہ ہی نازک صورت حال پیش کرتے ہیں۔ ہر عمل کا ردعمل اور ری ایکشن فطری طور پر ہوا ہی کرتا ہے، چنانچہ ناہموار جذبات اور غیر معتدل رویہ کاری کے شاخسانہ کے طور پر شرفاء کے زبان سے پھر اس قسم کے جملے بھی سننے میں آتے ہیں یجوز الاستنجاء باوراق المنطق (جامع الرموز) امام ابو یوسفؒ کی طرف نسبت کرکے یہ جملہ نقل کیا جاتا ہے من تمنطق تزندق (جو منطقی بن گیا وہ زندیق ہوگیا) امام شافعیؒ کا قول قرار دے کر نقل کیا جاتا ہے کہ جو فن منطق سیکھے اس کی پٹائی کی جائے اور اسے اونٹ پر سوار کرکے پورے شہر میں گھما پھرا کر اعلان کیا جائے کہ جو کتاب اللہ کو چھوڑ کر فضولیات میں لگ جائے اس کی یہ سزا ہے۔ امام احمد نے منطق کے نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کیا۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اپنے صاحبزادے حمادؒ کو وصیت فرمائی کہ منطق میں زندگی برباد نہ ہونے پائے۔ الغرض کسی نے منطق وفلسفہ کو ام العلوم، راس العلوم، اساس اور بنیادی عنصر ٹھہرایا تو کوئی اسے ضیاع وقت، ضیاع عمر اور اشتغال بمالایعنی گردانتا رہا۔

ہمارے معتدل اور جادہ مستقیم پر گامزن اکابر واسلاف کے آراء وخیالات بھی اس سلسلے میں متوازی نوعیت کی ہیں۔ حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی رائے گرامی ملاحظہ فرمائیں، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم لکھتے ہیں:

''فلسفہ اور عقلیات کی حقیقت اور اس کے پائے چوبیں کی ناپائیداری حضرت والد صاحبؒ پر روز روشن کی طرح واضح تھی لیکن جب کبھی آپ کے سامنے یہ تجویز پیش ہوتی کہ معقولات کو درس نظامی سے نکال دیا جائے تو حضرت والد صاحبؒ اس کی سخت مخالفت فرماتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور عقائد پر لکھی ہوئی متقدمین کی کتابیں معقولات کی اصطلاحات سے بھری ہوئی ہیں اور اگر قدیم منطق وفلسفہ کو بالکل دیس نکالا جائے تو اسلاف کی ان کتابوں سے خاطر خواہ استفادے کی راہ مسدود ہوجاتی ہے جو ہمارا گراں قدر علمی سرمایہ ہے۔ اس کے علاوہ منطق وفلسفہ کی تعلیم سے ذہن وفکر کو جلا ملتی ہے اور ذہن مرتب طریقے سے سوچنے کا عادی بن جاتا ہے اسی طرح یہ علوم تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول فقہ کے مسائل سمجھنے میں معاون ہوتے ہیں۔'' (ماہنامہ ''البلاغ'' شوال ۱۴۱۶ھ)

اسی سے ملتی جلتی رائے اور تقریباً یہی موقف قطب وقت، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ (اکوڑہ خٹک) کا ہے، فرماتے ہیں: ''ہمارے اکابر نے درس نظامی میں جو علم منطق اور علم فلسفہ کی کتابوں کو بطور نصاب باقی رکھا ہے اور پڑھاتے چلے آرہے ہیں وجہ یہ ہے کہ ان کے پڑھنے سے اجتہادی ملکہ پیدا ہوتا ہے، سوال وجواب، اشکال واعتراض، مقابلہ ومناظرہ، اساتذہ کی طویل بحثیں، سوال درسوال اور جواب در جواب کا سلسلہ چلتا ہے تو طلبہ کو تشحیذ اذہان حاصل ہوتی ہے اور جو طلباء اس میں رغبت نہیں رکھتے اور شوق سے نہیں پڑھتے ان کے علوم سطحی رہتے ہیں، ذکاوت کی تیزی اور علوم میں عمق حاصل نہیں ہوتا۔ مولانا رسول خان صاحب مرحوم ہمارے پاک وہند کے اکابر علماء دیوبند کے استاذ ہیں ایک مرتبہ وفاق المدارس کا اجلاس تھا میں بھی اس اجلاس کے سلسلے میں لاہور گیا ہوا تھا تو حضرت مرحوم کی خدمت میں بھی حاضری ہوئی تو انھوں نے وفاق کے طرز عمل (نصاب میں منطق کی کتابوں کو اہمیت نہیں دی جارہی تھی) پر حد درجہ رنج وقلق کا اظہار کیا اور فرمایا:

''اس طرح علوم ومعارف کی جڑیں کاٹ دی جائیں گی'' تو میں نے عرض کیا کہ الحمدللہ دارالعلوم حقانیہ میں فلسفہ اور منطق کی ساری کتابیں بدستور پڑھائی جارہی ہیں تو بے حد خوش ہوئے اور مسرت کا اظہار کیا غالباً حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا تھا کہ ''اگر منطق اور فلسفہ کی کتب نصاب سے خارج کردی گئیں تو پھر امام رازی کی تفسیر (تفسیر کبیر) سمجھنے اور سمجھانے والا کوئی نہیں ملے گا''۔ (صحبتے با اہل حق، ص ۵۵، میرے حضرت میرے شیخ، ص ۱۴۸)

حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز، مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی فلسفہ ومنطق کی تعلیم کے زبردست حامی اور وکیل نظر آتے ہیں اس لیے وہ اہل علم کے طبقہ کو فلسفہ ومنطق کی تعلیم کی طرف ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اپنے یہاں جو درس ہے منطق، فلسفہ اور ہیئت کا، اصول کے ساتھ اس کو تفصیل سے حاصل کرنا چاہیے اس کی اور زیادہ اشد ضرورت ہے۔ اساتذہ کو فلسفہ اور عقائد کے مسائل فلسفی اور معقولی انداز میں سہل طریقہ سے سمجھانا بہت ضروری ہے نہ کہ ان کتابوں کو نصاب کے اندر سے نکال کر سرسریت کا رہ جانا ہو جیسا کہ آج کل خیال ہو چلا ہے اور اس پر عمل بھی کیا جارہا ہے۔

ایک اور مقام پر طلبہ کو خوب تائید ووصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اس لیے میں بچوں کو کہا کرتا ہوں کہ منطق کو خوب سمجھ کر پڑھو کیوں کہ قرآن مجید، احادیث شریفہ اور فقہ وغیرہ سمجھنے کے لیے وہ بڑی معین مفید ہوتی ہے افہام وتفہیم میں سہولت ہوتی ہے۔آج کل طلباء اساتذہ نے مل کر منطق پڑھنا پڑھانا چھوڑ دیا یہ بڑی بھاری غلطی ہورہی ہے'' (ایضاً، ۳۶)۔

منطق وفلسفہ اور متقدمین کی آراء متضادہ: رہا متقدمین کا رویہ نظریہ اور رائے منطق وفلسفہ کے حق میں تو وہ بھی تضادات کا مجموعہ ہے بعض حضرات نے منطق کی ضرورت وافادیت میں اس قدر غلو ومبالغہ کیا کہ اسے فرض عین قرار دیا ہے (دیکھیے کشف الظنون: ج۲،ص۱۸۵۲) علامہ طاش کبری زادہ نے منطق کی اہمیت واضح کرتے ہوئے مخالفین کو بے عقل، بے وقوف قرار دیا۔ان کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

عاب المنطق قوم لا عقول لهم ··· وليس له اذا عابوه من ضرر

امام غزالیؒ اپنی معرکۃ الاراء کتاب ''المستصفی'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: هی مقدمة العلوم كلها ومن لايحيط بها فلاثقة بعلومه اصلا۔ فلسفہ ومنطق تمام علوم کا مقدمہ ہے اور جس کو اس پر عبور نہیں اس کے علوم کا کوئی اعتبار نہیں۔ (المستصفی، جزاول، ص۱۰)

متقدمین میں منطق کے انتہائی پرجوش حامی اور وکیل (ساتویں صدی کے مشہور حکیم وفلسفی) علامہ ابن رشد نظر آتے ہیں جو منطق کو انسانی سعادت کا سرچشمہ اور معیار سمجھتے تھے۔ان کا سوانح نگار لکھتا ہے: كان متهوساً بمنطق ارسطو، وقال عنه انه مصدر السعادة للناس وان سعادة الانسان تقاس بعلمه بالمنطق والمنطق آلة تسهل الطرق الشاقة فی الوصول الی الحقيقة التی لايصل اليها العامة بل بعض الخاصة الخ۔

''ابن رشد کو ارسطو کی منطق سے عشق تھا اس کے بارے میں اس کا قول ہے کہ منطق، سعادت کا منبع ہے کسی انسان کی سعادت کے لیے صحیح پیمانہ یہ ہے کہ وہ منطق کتنی جانتا ہے۔منطق ایسا آلہ وذریعہ ہے جو اس حقیقت تک پہنچنے کا راستہ آسان کردیتا ہے جس تک عوام تو کیا خواص بھی نہیں پہنچ سکتے''۔(بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت، ج۲،ص۲۶۷)

علماء اسلام میں منطق وفلسفہ کے بارے میں وسیع معلومات ومطالعہ رکھنے والی شخصیات میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۰۵ھ) کا نام سرفہرست ہے جن کا فلسفہ ومنطق سے گہرا ربط رہا ہے اور علوم عقلیہ ونقلیہ دونوں میں آپ کو پوری بصیرت ودست گاہ حاصل تھی لیکن اس عظیم شخصیت کی علمی زندگی میں بھی منطق وفلسفہ سے متعلق دو رائے، دو متضاد فکر پڑھنے کو ملے۔کہیں تو وہ فلسفہ ومنطق اور معقولات سے انتہائی غیر مطمئن اور دل برداشتہ نظر آتے ہیں اور المنقذ من الضلال (گمراہی سے بچانے والا) میں اپنی سرگزشت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''فلاسفہ جن کا کہنا ہے کہ وہی اہل منطق واہل استدلال ہیں، میں نے ان کے خیالات اور کتابوں کا مطالعہ کیا تو کسی طرح بھی مطمئن نہ ہوا''۔

ایک مقام پر فرماتے ہیں: ''فلسفہ کے بارے میں رائے قائم کرنے کے لیے میں نے پہلے اس کا مطالعہ ضروری سمجھا...... دو سال کے اندر اندر میں نے ان کے تمام علوم کا مطالعہ کر ڈالا پھر تقریباً ایک سال تک اس پر غور وفکر کرتا رہا میں نے دیکھا کہ

ان کے علوم چھ قسم کے ہیں۔ ریاضیات، منطقیات، طبیعیات، سیاسیات، اخلاقیات اور الٰہیات۔ ابتدائی پانچ علوم کا مذہب سے نفیاً واثباتاً کچھ تعلق نہیں اور نہ مذہب کے اثبار کے لیے ان کے انکار کی ضرورت ہے، طبیعیات میں ان کے بعض نظریات کا کہیں کہیں مذہب سے تصادم ہوتا ہے مگر وہ چند چیزیں ہیں۔ غرض میں اس نتیجے پر پہنچا کہ فلسفہ سے میری تشفی نہیں ہوگی''۔ (تاریخ دعوت وعزیمت، ج۱ص۱۶۴)

امام موصوفؒ نے مستقل طور پر تہافۃ الفلاسفہ کے نام سے تصنیف فرمائی اور فلاسفہ وعقلاء کو محض دانشور، تعلیم یافتہ، روشن خیال برگشتہ طبقہ قرار دیا اور الٰہیات اور مذہب سے براہ راست ٹکر لینے والے فلسفی موشگافیوں کو ظلمات فوق ظلمات (تاریکیوں پر تاریکیاں) قرار دیا اور اسے سوءِ مزاج فلاسفہ سے تعبیر کیا۔ (تہافۃ، ص۳۳۲)

فلسفہ ومنطق کے حصہ الٰہیات وطبیعیات کا امام موصوفؒ نے خوب پوسٹ مارٹم کیا اور اس سلسلے میں رہی سہی کسر اور آپریشن وپوسٹ مارٹم کی تکمیل کا فریضہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو نصیب میں ملا جس کی تفصیلات آگے آپ پڑھ سکیں گے، انشاءاللہ۔

اس ضمن میں قارئین کے علم میں یہ لانا ضروری ہے کہ قدیم فلسفہ یونان جس کا حصہ منطقیات بھی ہیں، مامون الرشید کے دورِ اقتدار میں شاہانہ شان وشوکت کے ساتھ پروان چڑھا اور مامون کی قدردانی نے یونانی وسریانی زبانوں سے مترجمین کی خدمات کے بھاری معاوضے دے کر ارسطو کی تصنیفات کو عربی زبان میں منتقل کیا اور مسلمانوں پر اس کا سکہ بٹھایا گیا۔

چوتھی صدی ہجری کے آخر تک تمام عالم اسلام پر فلسفہ یونان کا اثر پڑ چکا تھا اور ہر ذہین ومتجسس نوجوان اس کو شوق وعظمت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اسی چوتھی صدی میں اخوان الصفا کے نام سے بغداد میں ایک انجمن قائم ہوئی جس کا نصب العین اور منشور فلسفہ یونان کو معیار قرار دے کر دینی مباحث وعقائد پر گفتگو واظہار خیال تھا۔

اس انجمن کا منشور بزعم خویش ان کے الفاظ میں یہ تھا: ''ان الشریعة الاسلامیة قد تنجست بالجهالات واختلطت بالضلالات ولا سبیل الیٰ غسله وتطهیر ها إلاّ بالفلسفه...... وانه متیٰ انتظمت الفلسفة الیونانیة والشریعة المحمدیه فقد حصل الکمال ''۔ (تاریخ فلاسفة الاسلام فی المشرق والمغرب) ''اسلامی شریعت جہالتوں اور گمراہیوں کی آمیزش سے گندی ہوگئی ہے اس کو صرف فلسفہ کے ذریعے دھویا اور پاک کیا جاسکتا ہے......اب صرف فلسفہ یونان اور شریعت محمدی کے امتزاج سے کمال مطلوب حاصل ہوسکتا ہے''۔ (تاریخ دعوت وعزیمت، ج۱ص۱۵۱)

فلسفۂ یونان کو رواج وتشہیر دینے کے لیے مامون کی مکمل سرپرستی کے بعد ''اخوان الصفا'' کا منظم آرگنائزیشن ایسا چڑھا کہ اس بے لگام گھوڑے کو نکیل ڈالنے کے لیے حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ جیسے رجال کار کا طویل انتظار کرنا پڑا۔ اس فلسفے کے شیوع ورسوخ نے مسلمانوں کے اذہان کو کتنا متاثر کیا؟ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی سنیے: ''فلسفہ، نبوت کے متوازی چلتا ہے اور کہیں جاکر نہیں ملتا وہ دین کے اصول وکلیات اور اس کے بنیادی عقائد ومسائل سے متصادم ہے اس لیے جس قدر فلسفہ کی مقبولیت اور عظمت بڑھتی گئی قدرتی طور پر دین کی وقعت اور انبیاء علیہم السلام کی عظمت کم ہوتی گئی اور عقائد سے لے کر اعمال واخلاق تک اس ذہنی تبدیلی سے متاثر ہوئے۔ مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ

پیدا ہوگیا جو دین کی علانیہ تحقیر کرتا اور اسلام سے فخریہ اپنی بے تعلقی کا اظہار کرتا۔ جو لوگ اتنی اخلاقی جرات نہیں رکھتے تھے وہ ظاہری طور پر رسوم و رواج کے پابند تھے لیکن اندر سے وہ کسی معنی میں مسلمان نہیں تھے۔ (تاریخ دعوت وعزیمت، ج۱، ص ۱۵۲)

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے بقول اعتزال کے فروغ اور معتزلہ کے اقتدار سے عالم اسلام میں کفر والحاد وانکار نبوت، انکار معاد اور بے عملی اور تعطل کا رجحان پیدا نہیں ہوسکا اور مسلمانوں کا مذہبی شعور مجروح یا کمزور نہیں ہونے پایا لیکن فلسفہ نے اسلام کی عمارت میں جو شگاف اور دراڑیں ڈالیں اس نے تو اسلام کی اساس ہلا کر رکھ دی اور روح اسلام کا خون کر دیا جس کا فتنۂ اعتزال سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ فلسفہ اور منطق کے مخالفین میں متقدمین میں سے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی شخصیت نہایت نمایاں ہیں۔ مفکر اسلام مولانا علی میاں ندویؒ لکھتے ہیں:

> ”شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نصیر الدین طوسی کی وفات سے دس برس پہلے پیدا ہوئے، ان کی علمی زندگی کا آغاز ہوا تو طوسی اور ان کے تلامذہ کے اثر سے یونانی فلسفہ ومنطق یعنی ارسطو کے فلسفہ ومنطق کا طوطی بول رہا تھا اس کے مسائل ومباحث کو سمجھ لینے ہی کو منتہائے ذکاوت اور معیار فضیلت سمجھا جاتا تھا کسی کو اس کے مقابلے میں یا اس کی مخالفت میں لب کشائی کی جرأت نہ تھی۔ محدثین وفقہاء اس میدان کے حریف نہیں تھے وہ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے تھے کہ اس کی حرمت کا فتویٰ دے دیں مگر اس سے یہ سیلاب رک نہیں سکتا تھا۔ عالم اسلام کے علم وفکر پر اس کا رعب چھایا ہوا تھا۔ اس مرعوبیت سے ایک حلقہ میں جو فلسفہ سے قریبی اور براہ راست تعلق رکھتا تھا تشکک وارتیابیت کا دور دورہ تھا اور سوفسطائیت (حقائق اشیاء کا انکار) کا رجحان بھی پایا جاتا تھا جو حلقہ اس سے براہ راست تعلق نہیں رکھتا تھا، احساس کمتری اور مرعوبیت کا شکار تھا اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے فلسفہ ومنطق کے بے لاگ علمی محاسبے اور جائزے اور اس کی علمی کمزوریوں کا پردہ فاش کرنے کی ضرورت تھی۔ وقت کی یہ ضرورت شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے پوری کی اور اس کو مستقل موضوع بنا کر یونانی فلسفہ وحکمت کی مفصل ومدلل تنقید اور اس کے علمی محاسبے کا کام انجام دیا اور ایک ایسی شخصیت (ارسطو) سے حریفانہ گفتگو اور علمی مناظرہ کیا جس کو علمائے فلسفہ مافوق البشر ہستی اور تردید وتنقید سے بالاتر سمجھنے لگے تھے“۔ (تاریخ دعوت وعزیمت، ج۲، ص۲۴۳)

امام ابن تیمیہؒ نے امام غزالیؒ ابن رشد اور منطق وفلسفہ سے مرعوب اور منطق کے بارے میں رطب اللسان حضرات کے اس مزعومہ کی شدت سے تردید کی کہ منطق علوم عقلیہ کے لیے میزان ہے اور یہ ذہن کو فکری غلطیوں سے بچاتی ہے، انھیں اس بات سے بھی شدید اختلاف ہے کہ منطقی حدود وتعریفات مکمل طور پر جامع مانع ہیں اور ان پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں اور یہ کہ مناطقہ ہی درحقیقت محققین ہیں باقی سب لفاظی ہے۔ علامہ موصوف شدت کے ساتھ ان دعاوٴں کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ویسلکون الطرق الصعبة الطویلة والعبارات المتکلفة الهالة ولیس لذالك فائدة الاتضیع الزمان واتعاب الاذهان و کثرة الهذیان ودعویٰ التحقیق بالکذب والبهتان وشغل النفوس بمالا ینفعها بل قد یضلها عما

لا بدلها منه واثبات الجهل الذی هو اصل النفاق فی القلوب وان ادعوا انه اصل المعرفة والتحقیق۔(الردعلی المنطقیین، ص ۱۳)

"یہ مناطقہ بڑے دشوار اور طویل راستے اختیار کرتے ہیں اور بڑی پرتکلف اور مرعوب کرنے والی عبارتیں استعمال کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ سوائے اضاعت وقت، دماغی تکان، کثرت ہذیان اور تحقیق کے دعویٰ اور لاف زنی کے اس کا کوئی فائدہ نہیں، یہ نفوس کو ایسی چیزوں میں مشغول کرتے ہیں جو کچھ مفید نہیں بلکہ بعض اوقات گمراہی اور جہالت آفرینی کے سوا جو قلوب کے نفاق کا ذریعہ ہے، کچھ اور حاصل نہیں۔ اگرچہ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ معرفت اور تحقیق کی بنیاد ہے"۔

امام موصوفؒ نے اس فن منطق کی بنیادی مادہ اشتقاق اور وجہ تسمیہ "آلہ نطق" پر بھی نکتہ چینی اور گرفت کی ہے اور واضح کیا ہے کہ اس فن نے ذہن وزبان کی ترقی کی خدمت کے بجائے الٹا ذہن وزبان کو نقصان پہنچایا ہے اور اس فن سے طبیعت کی جولانی اور زبان وخیالات کی روانی میں رکاوٹ پیدا ہوئی ہے اور ذہنی کجی کا باعث بنا ہے اور ذہن وزبان پر قفل پڑے ہیں۔ امام موصوفؒ نے ابن سینا کی فصاحت وبلاغت اور شگفتہ تحریر وتقریر اور ادیبانہ انداز کو محض اسلامی وعربی لٹریچر وادب سے اشتغال اور علوم اسلامیہ کا فیض بتایا ہے نہ کہ منطق وفلسفہ کے اثرات کا شاخسانہ جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ منطق وفلسفہ پر شدید ردوقدح کے باوجود امام ابن تیمیہؒ نے اجمالی طور پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے وہی بات کہہ ڈالی ہے جو تقریباً عہد قریب کے ہمارے اکابر کی تصریحات کے حوالہ سے پہلے نقل کی جاچکی ہے کہ اس فن کا فائدہ فقط اور صرف اتنا ہے کہ اہل فن کی اصطلاحات، ان کا طریقہ استدلال یا ان کی غلطیاں معلوم ہوجاتی ہیں۔

ایک مقام پر کھل کر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں: انی کنت دائماً اعلم المنطق الیونانی لایحتاج الیه الذکی ولاینتفع به البلید۔ (الردعلی المنطقیین، ص ۲۰۱) میرا ہمیشہ سے یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو فطری ذکاوت عطا فرمائی ہے اس کو تو اس یونانی منطق کی ضرورت نہیں اور جو اس ذکاوت سے محروم ہے اس کو اس منطق سے کوئی بڑا فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

علامہ ابن تیمیہؒ کے آراء وخیالات کو سمیٹتے اور لپیٹتے ہوئے، مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے بہت ہی معتدل انداز میں امام موصوف کے خیالات پر جو تبصرہ فرمایا اور روشنی ڈالی ہے، نذر قارئین ہے فرماتے ہیں: "منطق یونانی کے بارے میں امام ابن تیمیہؒ کے ان آراء وخیالات میں خواہ کسی قدر انتہا پسندی اور غلو کا رنگ نظر آئے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ منطق کی عظمت وتقدیس کے اس طلسم پر جو تمام عالم اسلام پر پانچویں صدی کے بعد سے چھایا رہا ہے ابن تیمیہؒ کی تنقیدوں سے ایک ضرب لگی اور ایسا ہونا ضروری تھا اس کے بارے میں ہمارے درسی اور علمی حلقوں میں جس قدر غالیانہ اور مبالغہ آمیز عقیدت قائم رہی ہے اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جو منطق سے ناآشنا ہو اس کو اس کے تمام علوم وکمالات اور فطری ذکاوت کے باوجود جاہل اور احمق سمجھا جاتا رہا ہے اور عرصہ تک ہندوستان میں منطق وفلسفہ کو "دانش مندی" اور ان کی کتابوں کو "کتب دانش مندی" کے نام سے یاد کیا جاتا رہا ہے اس غلو اور عقیدت کے خلاف ردعمل بھی قدرتی امر ہے اور اسی ردعمل سے اس بات

کا امکان ہے کہ اس کے بارے میں معتدل رائے قائم کی جائے گی اور اس کو اس کا صحیح مقام دیا جائے گا۔ منطق ایک طرح کی ذہنی ورزش اور دماغی ریاضت ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس سے تشحیذ اذہان کا کام لیا جاسکتا ہے اور اگر اس کو اسی حد تک رکھا جائے تو اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہوسکتا۔ خود امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا اعتراف ہے۔ لیکن لوگوں نے جس طرح اس کو بجائے وسیلہ کے مقصود اور بجائے مقدمہ کے اصل سمجھ لیا اس سے ہر منصف اور بالغ نظر کو اختلاف ہوگا''۔ (تاریخ دعوت وعزیمت، ج ۲، ص ۲۷۵)

امام ربانی، فقیہ لاثانی، قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (قدس سرہ العزیز) منطق وفلسفہ کے مخالف تھے، مصنف تذکرۃ الرشید مولانا عاشق الٰہی میرٹھی (نور اللہ مرقدہ) لکھتے ہیں:

''منطق وفلسفہ کے ساتھ آپ کا تنفر عداوت کی حد تک پہنچا ہوا تھا، ایک مرتبہ آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ میرا جو مرید اور شاگرد فلسفہ کا شغل رکھے گا وہ میرا مرید اور شاگرد نہیں۔ اس کے بعد ایک قصہ نقل فرمایا کہ ایک انگریز لندن سے لکھنو حاکم ہوکر آیا اس کو معلوم ہوا کہ یہاں مولوی لوگ بہت ہیں اور علم کا چرچا بہت زیادہ ہے اس نے علماء کو طلب کیا اور ہر ایک سے دریافت کیا کہ تم کو کس کس علم میں دستگاہ ہے؟ ہر ایک نے منطق وفلسفہ کا ذکر کیا، وہ سن کر خاموش ہوگیا پھر اتفاق سے وہی انگریز دہلی میں تبدیل ہوکر آیا یہاں بھی علماء کی کثرت اس کو معلوم ہوئی، دہلی کے مولویوں کو بھی اس نے بلاکر وہی سوال کیا کہ کون سے علم میں دستگاہ ہے یہاں بھی اکثر کی زبانی منطق وفلسفہ ہی کا نام نکلا۔ صرف ایک عالم نے کہا کہ مجھے علم فقہ آتا ہے اس پر وہ انگریز بہت خوش ہوا اور کہا کہ بس تم ایک عالم ہو کیونکہ فلسفہ ومنطق کے عالم تو دنیا کے عالم ہیں اپنے دین کے عالم نہیں یہ علم تو ہم میں بھی ہے بلکہ تم سے زیادہ''۔

حضرت امام ربانی بارہا فرمایا کرتے تھے کہ اس منطق وفلسفہ سے تو انگریزی بہتر ہے کہ اس سے دنیا کے نفع کی امید تو ہے۔ (تذکرۃ الرشید، ص ۵۰، ج ۲)

ایک اور موقع پر حضرت گنگوہیؒ معقولیات کی تعلیم پر شدید بیزاری کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں: ''فلسفہ محض بیکار ہے اس سے کوئی معتدبہ نفع حاصل نہیں ہوا سوائے اس کے کہ چار سال ضائع ہوں اور آدمی خردماغ، غبی دینیات سے ہوجائے، کج فہم اور کورفہم شرعیات سے ہوجائے اور کلمات کفریہ زبان سے نکال کر ظلمات فلسفہ میں قلب کو کدورت ہوجائے اور کوئی فائدہ نہیں''۔ (سوانح قاسمی، ص ۲۹۲، بحوالہ ہمارا نصاب تعلیم کیا ہو، ص ۱۴۶)

متقدمین اور اکابر علماء اکرام کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ منطق وفلسفہ کو علمی اصطلاحات کی حد تک رکھ کر سیکھنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ قرآن وحدیث، فقہ کو چھوڑ کر منطق وفلسفہ کو مقصود بالذات بنا کر پڑھنا درست نہیں اور یہی رائے زیادہ صواب نظر آتی ہے۔

☆☆☆